25

اذان کے پُر حکمت کلمات میں کامیابی کے دو عظیم الشان گُر

(فرمودہ 20 ستمبر 1940ء بمقام شملہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں قرآن کریم کے دوسرے محاسن بیان کئے ہیں وہاں یہ بھی فرمایا ہے قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا 1 کہ یہ عربی قرآن ہے۔ عربی کے معنی فصیح کے بھی ہیں اور یہ عربی زبان کا نام بھی ہے۔ کسی زبان میں کسی کلام کا اترنا بجائے خود کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ ایک بات کو پیش کرنے والے اور اس قوم کی جس کے سامنے وہ بات پیش کی جارہی ہے اگر وہی زبان ہو تو اس زبان میں بولنا مجبوری ہے۔ مثلاً انگریز انگریزی دان طبقے کے سامنے انگریزی میں تقریر کرے تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ اسی طرح قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا میں اگر عربی کے لفظ کو عربی زبان کی حد تک دیکھیں تو یہ لفظ کوئی خاص خوبی نہیں رکھتا۔ اس لئے یہ لفظ یہاں فصاحت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے لیکن عربی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے دونوں معنے ہیں اور یہ بھی ایک خوبی ہے۔ عربی میں نام خصوصیتوں کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور محض علامت نہیں بلکہ وصف پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح عربی کا نام ہے یہ صرف نام نہیں بلکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایک فصیح زبان ہے۔ یہ صرف عربی کی خصوصیت ہے کہ یہ اپنے مطالب خود

بیان کر دیتی ہے۔ عربی میں نام اپنے طبعی فعل کے علاوہ اس کی خصوصیت بھی بیان کر دیتا ہے۔

میرے ذہن میں آج کوئی خاص مضمون خطبہ کے لئے نہ تھا لیکن اذان سنتے ہوئے عربی زبان کی ایک ایسی ہی خصوصیت میرے ذہن میں آئی اور آج کے خطبہ کے لئے ایک مضمون میرے ذہن میں آ گیا اور وہ مضمون حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے متعلق تھا۔ عربی زبان میں جہاں نام بامعنی ہوتے ہیں وہاں الفاظ کے معانی میں مختلف صِلوں سے بھی وسعت پیدا کر دی جاتی ہے اور لطیف اور جدید مضمون پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہا تو مجھے خیال آیا کہ عربی میں فاصلے کے لئے ایک اِلٰی کا لفظ ہوتا ہے مگر یہاں عَلٰی آیا ہے۔ چنانچہ عربی میں جب کہنا ہو کہ میں لاہور گیا تو ذَھَبْتُ اِلٰی لَاھُوْرَ یا سَافَرْتُ اِلٰی لَاھُوْرَ کہیں گے اور اِلٰی کا صلہ استعمال کریں گے۔ یا کہنا ہو میں تیرے پاس آیا جِئْتُ اِلَیْکَ کہیں گے۔ پس مجھے خیال آیا کہ بظاہر حَیَّ کے بعد اِلٰی کا صلہ استعمال ہونا چاہیئے لیکن ہوتا عَلٰی کا صلہ ہے۔ آخر عربوں نے یہ تغیر کیوں کیا اور آنے کے لئے جو اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کو چھوڑ کر اذان میں یہ لفظ کیوں رکھا گیا جس کا صلہ عَلٰی استعمال ہوتا ہے؟ یہ سوال پیدا ہوتے ہی میرے دل میں اس کا یہ جواب آیا کہ عَلٰی اِلٰی سے زیادہ قُرب پر دلالت کرتا ہے اور یہ مضمون پیدا کرتا ہے کہ گویا آنے والا اس چیز پر جا پڑا جس کے پاس وہ جانا چاہتا تھا۔ اور یہ حالت کہ انسان دوسری شے پر جا پڑے جلدی، شوق اور بے تابی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس نماز چونکہ ایسی اعلیٰ درجہ کی شے ہے کہ صرف آنے کی طالب نہیں بلکہ یہ چاہتی ہے کہ جس طرح کوئی عاشق محبوب کے لئے بے قرار ہو کر دوڑ پڑتا ہے اسی طرح نماز کے لئے بے تاب ہو کر آؤ اور دوڑتے ہوئے آؤ جیسے کبھی ماں دیر سے اپنے پیارے بچے کو ملتی ہے یا باپ تو وہ صرف ملتے ہی نہیں بلکہ دوڑ کر دوسرے کے سینے پر جا پڑتے ہیں۔ وہ صرف گلے ملنا نہیں ہوتا بلکہ چمٹ جانا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو جذب کر لینے کی کوشش ہوتی ہے۔ وہی کیفیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ نماز کے متعلق بندہ کے دل میں پیدا ہو اور اس وجہ سے اذان میں اور الفاظ کی بجائے جو بلانے کے لئے آتے ہیں حَیَّ عَلٰی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور یہ

اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان درمیانی روکوں کو نہ دیکھیں اور بے پرواہ ہو کر نماز کی طرف دوڑے چلے آئیں۔ یہ شوق ہے جو اذان سکھاتی ہے۔ مؤذن صرف نماز کے لئے نہیں بلاتا بلکہ بے تابی اور درمیانی روکوں سے بے پرواہ ہو کر دوڑ پڑنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ وہ ولولہ ہے جو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اذان میں جس جوش کا حکم دیا ہے اگر اس طرح نہ کیا جائے تو وہ حقیقی نماز نہ ہو گی۔ چاہیئے کہ شوق سے (نہ کہ جسمانی طور پر دوڑ کر، جسمانی طور پر دوڑ کر نماز کے لئے آنا منع ہے کیونکہ اس سے سانس پھول جاتا ہے اور انسان نماز کی طرف پوری توجہ نہیں کر سکتا۔ نیز جو دوڑ کر آتا ہے پہلے گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور عین وقت پر نماز کے لئے چلتا ہے اور یہ شوق کی زیادتی پر نہیں بلکہ شوق کی کمی پر دلالت کرتا ہے) گرتے پڑتے پہنچو اور نماز کو لے لو۔ اس وقت سب کچھ بھول جاؤ اور دماغ میں اور چیزوں کی طرف سے تعطّل پیدا ہو جائے۔

پس عربی کی یہ خصوصیت ہے کہ الفاظ چھوٹے ہوتے ہیں مگر مطالب وسیع ہوتے ہیں اور یہی حال قرآن شریف کا ہے بلکہ قرآن کریم نے تو تمام اچھے الفاظ چُن لئے ہیں۔ جس طرح تلوار شمشیر زن کے ہاتھ میں کام کرتی ہے اسی طرح عربی میں سے بھی جو الفاظ خدا تعالیٰ نے چُن لئے وہ نہایت وسیع مطالب کے حامل ہیں۔ ایک مثال ہے کہ ایک شمشیر زن نے ایک ہی وار میں گھوڑے کے چاروں پاؤں اڑا دیئے۔ اس ملک کے شہزادے نے جو دیکھا تو سپاہی سے تلوار مانگی کہ مجھے یہ دے دو۔ سپاہی نے نہ دی۔ شہزادے نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ غصے ہوا اور سپاہی نے تلوار دے دی لیکن جب شہزادے نے اس تلوار کو استعمال کیا تو گھوڑے کے پاؤں پر اثر بھی نہ ہوا۔ یہی فرق دوسرے لوگوں کی عربی اور قرآن کریم کی عربی میں ہے۔ بے شک عربی زبان اپنی ذات میں اعلیٰ خصوصیات رکھتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آ کر وہ خصوصیات ایسی شاندار ہو گئی ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس سے اُتر کر ان الہامات کا درجہ ہے جو قرآن کریم کے علاوہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوئے ہیں جیسے اذان ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کے بعد اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح آتا ہے جس کے معنی ہیں کامیابی کی طرف جلدی آؤ، والہانہ آؤ، گرتے پڑتے آؤ۔ ان الفاظ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کامیابی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ کام کو کل پر ڈال دیتے ہیں حالانکہ مخالف

جلدی کرتا ہے اور وہ اپنے کام کو کل پر نہیں ڈالتا کیونکہ اسے ناکامی کا خوف ہوتا ہے۔ وہ یقیناً اس کے رستے میں روکیں ڈالے گا۔

آجکل کس زور سے جنگ ہو رہی ہے۔ ہٹلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارے بادشاہوں کی ناکامی کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ دیر سے تیاریاں کرتے رہتے تھے اور مخالف بھی ان تیاریوں کو دیکھ کر تیاری کرتا تھا۔ حالانکہ تیاری فوری ہونی چاہیئے اور حملہ اچانک ہونا چاہیئے۔ اسی خیال کے ماتحت اس نے اپنی قوم کو ترقی دی۔ چنانچہ 1934ء سے لے کر پانچ سال کے عرصہ میں اس قدر جلدی ترقی دی کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ اب وہ چاہے ناکام ہو جائے لیکن اس کی تیاری ایسی ہے اور حملہ ایسا اچانک ہے کہ آج الٰہی علم کے بغیر کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ انگریز جیتیں گے۔ ایک معمولی انسان اٹھا اور کس طرح جلدی جلدی اس نے اپنی قوم کو تیاری کرا دی۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح میں یہی بتایا گیا ہے کہ اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو جلدی کرو۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔ بعض دفعہ شیطان وسوسہ ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں کرنے سے روک دیتا ہے اور اس طرح انسان کئی نیکیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

پس کامیابی کے حصول کا ایک گُر یہ ہے کہ فوری طور پر نیکی کرو۔ جب خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے اس گُر پر عمل کرنا ضروری ہے تو بندوں کے ساتھ سلوک میں اس سے بھی زیادہ احتیاط سے اس گُر کے استعمال کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مسلمان چاہتے تھے کہ مکہ پر فتح پائیں اور کفار بھی مسلمانوں کو گرانا چاہتے تھے اور وہ بھی تیاریاں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جدھر سے بھی تم نکلو اپنی توجہ مکہ کی طرف رکھو [2] یعنی اگر فتح پانا چاہتے ہو تو اپنے خیالات کا مرکز فتح مکہ بنالو۔ تب جو جوش تمہارے اس ارادہ میں پیدا ہو گا تم کو فاتح بنا دے گا۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے اپنی قربانیوں اور ایثار کی وجہ سے۔ انہیں مقصود کی محبت تھی وہ بے پرواہ ہو کر لڑے، بے تاب اور والہانہ جوش کے ساتھ لڑے اور غالب آئے۔

پس اسلام سکھاتا ہے کہ وقت ضائع نہ کرو اور جب کوشش کرو تو بے تابانہ کرو، والہانہ کرو اور بے پرواہ ہو کر کرو۔ اور اس بات کو مت بھولو کہ دشمن بھی تیاری کر رہا ہے۔

یہ صرف سیاسی مسئلے نہیں بلکہ مذہبی بھی ہیں۔ تبلیغ میں سست ہونے سے بعض دفعہ نتیجہ خراب ہوتا ہے اور ایک شخص احمدیت کے قریب پہنچ کر ذرا سی سستی سے دور جا پڑتا ہے اور بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ مخالف ہو جاتا ہے۔

نواب سیف اللہ خاں صاحب جو ڈیرہ اسماعیل خان کے رئیس تھے، اب فوت ہو گئے ہیں ایک دفعہ جلسہ پر آئے مجھ سے بھی ملاقات ہوئی اور باتیں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر صداقت کھل گئی۔ ایک دن ان کے میزبان میرے پاس آئے اور پوچھا کہ نواب صاحب نے بیعت کر لی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو مجھے کہہ کر آئے تھے کہ میں بیعت کرنے جارہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جب ان سے پوچھا تو نواب صاحب نے کہا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا تسلیم کرتا ہوں اور ان کی ہر بات مانتا ہوں اور بیعت کرنے کے لئے گیا تھا لیکن فلاں شخص جو میرے ساتھ آیا ہے اس نے یاد دلایا کہ وہاں کے لوگوں نے چلتے ہوئے کہا تھا کہ قادیان میں جادو کیا جاتا ہے۔ اب اگر ہم نے بیعت کر لی تو لوگ اس عقیدہ میں پکے ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے میں نے بیعت ملتوی کر دی ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ نواب صاحب چونکہ سلسلہ کا لٹریچر پڑھ رہے تھے مخالفوں نے اس سے ڈر کر کہ کہیں بیعت نہ کر لیں ساتھ ایک ٹھیکیدار کر دیا جو ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے یہ بہانہ بنا کر ان کو بیعت سے روک دیا۔ چنانچہ وہ قادیان سے بغیر بیعت کئے چلے گئے اور آہستہ آہستہ ان کے دل پر زنگ لگ گیا اور وہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی نعمت سے محروم رہ گئے۔ اگر وہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر عمل کرتے یا کوئی ان کا دوست انہیں اس پر عمل نہ کرنے کے خطرات سے آگاہ کر دیتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔

عام تجربہ بھی بتاتا ہے کہ جن علاقوں میں تبلیغ شروع کی جاتی ہے پہلے پہلے لوگ جلدی جلدی احمدیت میں داخل ہوتے ہیں لیکن بعد میں مخالفین اپنی شرارتوں سے روکیں ڈال دیتے ہیں۔ پس حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر عمل کرتے ہوئے چاہیئے کہ جلدی کی جائے اور دشمن سے پہلے ہی سارا کام کر لیا جائے اور وہ علاقہ فتح کر لیا جائے۔ علاقہ ملکانہ میں بھی ہماری کامیابی اسی میں تھی۔ اگر اُس وقت مَیں تین چار مولویوں کو بھیج دیتا تو کچھ کام نہ ہو سکتا۔ میں نے جماعت

سے واقفین کا مطالبہ کیا اور سینکڑوں نے وقف کیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ پانچ چھ ماہ میں آریہ ناکام ہو گئے اور صلح کی تجویزیں کرنے لگے۔ گاندھی جی نے برت رکھ لیا۔ ان کی زندگی کو بچانے کے لئے دہلی میں ایک کانفرنس بلائی گئی کہ آپس میں صلح ہو جانی چاہیئے۔ ہمارے کسی آدمی کو نہ بلایا گیا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب مصری جو اَب سخت مخالف ہیں میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ جماعت کی سخت ہتک ہے۔ ہمارا کوئی آدمی انہوں نے نہیں بلایا ان کو توجہ دلانی چاہیئے۔ میں نے کہا کہ کبھی خود بھی عزت کروایا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے بغیر صلح نہیں کر سکتے وہ آپ کو بھی بلائیں گے۔ چنانچہ اُسی دن یا دوسرے دن مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ، حکیم اجمل خان صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی تار آئی کہ اپنا نمائندہ بھجوائیں۔ مغربی لوگوں نے ایک طریقِ اصلاح ایجاد کیا ہے جسے STATUS CO کہتے ہیں۔ یعنے آئندہ لڑائی بند کر دی جائے اور جو کچھ ہو گیا ہے بس اس کو بڑھایا نہ جائے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ اسی قسم کی صلح کی درخواست پیش کریں گے کہ آئندہ کے لئے دونوں اقوام تبلیغ بند کر دیں۔ حالانکہ اس عرصہ میں آریوں نے بیس ہزار مسلمانوں کو ہندو بنا لیا تھا۔ میں نے اپنے نمائندوں کو بتایا کہ وہ یہ تجویز پیش کریں گے لیکن تم یہ کہنا کہ اس وقت تک ہندو بیس ہزار مسلمانوں کو ہندو بنا چکے ہیں۔ پس سٹیٹس کو یہ نہیں کہ آج صلح کی جائے۔ STATUS CO یہ ہے کہ جو ہندو ہو چکے ہیں ان کو دوبارہ مسلمان کر دیا جائے۔ پھر بے شک صلح کر لیں۔ لیکن جب تک وہ آریہ ہیں ہم وہاں رہیں گے۔ چنانچہ اس کانفرنس میں شردھانند جی نے یہی تجویز پیش کی۔ جمعیۃ العلماء کے ممبروں نے کہا کہ واہ واہ بالکل درست تجویز ہے مگر ہمارے آدمیوں نے وہی کہا جو میں نے سمجھایا تھا اور کہا کہ اِس کا تو مطلب یہ ہے کہ جو چھاپہ مارے وہ فائدے میں رہے اور جو شرافت سے سلوک کرے وہ نقصان اٹھائے۔ اُس وقت شردھانند جی نے ایک فقرہ کہا جو ہماری جماعت کے لحاظ سے ایک تاریخی فقرہ ہے۔ جب مفتی کفایت اللہ صاحب نے کہا کہ احمدیوں کو جانے دو ان کی پرواہ نہ کرو ہمارے ساتھ صلح کر لو تو شردھانند جی نے جواب میں کہا کہ مجھے آپ کے ہزار مبلغ کا ڈر نہیں لیکن جب تک احمدیوں کا ایک بھی مبلغ وہاں ہے ہم صلح نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہماری ملکانے میں کوشش کے نتیجہ میں چار پانچ ہزار واپس آ گئے۔ یہ ہمارے

فوری حملے کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ان کا پروگرام تھا کہ ملکانے سے پھر وہ پنجاب میں بھی آتے کیونکہ گوڑ گانواں وغیرہ میں بھی اس قسم کے لوگ آباد ہیں لیکن آئندہ ملکانے کی تحریک بھی بند ہو گئی اور ادھر کا رُخ بھی وہ نہ کر سکے۔

پس حَیَّ عَلَی الْفَلَاح میں بتایا گیا ہے کہ صرف تدابیر کافی نہیں بلکہ جلدی سے جلدی کام شروع کرنا چاہیئے اور زور کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ یہ دو گُر ہیں جن پر اگر مسلمان قائم ہو جائیں تو کامیاب ہو جائیں۔

الغرض خدا تعالیٰ نے بتایا کہ عبادت رغبت سے کرو، سُستی نہ کرو اور جب دینی ترقیات کے لئے کوشش کرو تو بے تابی سے، جلدی سے اور والہانہ طور پر کرو۔ اس کو ایک لمبے عرصے پر نہ پھیلاؤ ہو سکتا ہے کہ شیطان تمہیں قابو کر لے اور تم نیکیوں سے محروم ہو جاؤ۔ یہ کامیابی کے دو عظیم الشان گُر ہیں جن پر عمل کرنے سے ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

(الفضل 15 اکتوبر 1940ء)

---

1 یوسف: 3

2 مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (البقرۃ: 151)